جہنم کے سوداگر
THE TRADERS OF HELL
محمد جبران
ایم فل اسکالر
Episode 9
ٹارگٹ کلر
پاکسوسائٹی ڈاٹ کام

ٹارگٹ کلر (نویں قسط)

بیدارئِ شعور کے بعد میں اپنے آپ میں خود کو تلاش کرتا رہا۔ جب میں نے بہت کوشش کے بعد خود کو پالیا تو گزشتہ تمام واقعات کسی فلم کی طرح میرے ذہن میں چلنے لگے۔ جوں جوں میرے سامنے وہ منظر چلنے لگے میرے وجود میں عجیب سا درد بھی اٹھنے لگا جس سے میرا وجود ہل کر رہ گیا۔ بے شک میں انسان ہوں کوئی سوپر مین یا خلائی مخلوق نہیں، مگر رفتہ رفتہ اس درد کی شدت میں کمی آتی گئی، جب تمام منظر پورے ہو کر میری دماغ کی اسکرین پر فلم ختم ہوئی تو میں نے بے اختیار اپنی آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر میں یوں ہی خالی خالی نظروں سے چھت کو گھورتا رہا۔

مجھے مکمل طور پر ہوش سنبھالنے میں کچھ وقت لگا، آہستہ آہستہ مجھے گردوپیش کا منظر واضح ہوتا چلا گیا۔ یہ ایک خالی کمرہ تھا جس کے فرش پر میں پڑا ہوا تھا۔ زمین گردوغبار سے اٹی ہوئی تھی، پاس ہی مجھے ایک اور کمرہ نظر آیا جو اپنی بناوٹ کے اعتبار سے مجھے باتھ روم لگا۔ اس کا دروازہ چھوٹا سا تھا، اس کے علاوہ کمرے کی چھت پر جالے لگے ہوئے تھے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کافی عرصے سے صفائی کا کام نہیں ہوا۔ مجھ سے تھوڑا فاصلے پر چیونٹیاں لائن بنا کر دیوار کے اوپر چڑھتی ہوئی اوپر جارہی تھیں۔ ان کی ایک قطار اوپر جارہی تھی اور ایک نیچے زمین کی طرف رواں دواں تھی۔ وہ نہ معلوم کہاں سے اناج اکٹھا کر کے آجارہی تھیں۔ ان کا نظم وضبط دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا، یہ وہ عمل تھا جو میں بچپن سے دیکھتا ہوا آرہا تھا مگر ہر بار انہیں دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔ بے شک خدا کی یہ انمول تخلیق تھی۔

کچھ چیونٹیاں میرے اوپر سے بھی راستہ بناتی ہوئی باتھ روم کی جانب جارہی تھی۔ اوپر چھت پر انہوں نے دو تین سوراخ بنائے تھے جس میں یہ اندر جاکر کہیں غائب ہوجاتی تھیں۔ ایک طرف ایک سیاہ چھپکلی مجھے گھور رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس سوچ میں گم تھی اور مجھ سے کون سا بدلہ لینا چاہ رہی تھی حالانکہ میں نے اسے بالکل نہیں چھیڑا تھا۔ میرے تن پر اس وقت بھی وہی سوٹ تھا جو میں اپنی رہائش گاہ سے پہن کر نکلا تھا۔ کپڑے بھی اب کافی میلے ہوچکے تھے ان کی ساری چمک کا ہی بیڑا غرق ہوگیا تھا۔ مجھے ابھی یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میری بے ہوشی میں کتنا وقت بیت گیا تھا اور کیا میجر ڈریگن اور کرنل اشر کی ملاقات ہوگئی تھی یا نہیں۔

کرنل اشر مجھ پر غصہ تو ضرور ہوا ہو گا کہ میری وجہ سے اس کا اتنا قیمتی راز افشاں ہو گیا اور نہ صرف افشاں ہو گیا تھا بلکہ وہ جس کے ہاتھ لگا تھا وہ چلتا پھر تا ڈھول تھا۔ جب کبھی بھی اس کی ذہنی رو بھٹکتی تو اس نے ڈھول گلے میں ڈال کر پورے شہر میں یہ میادی کر دینی تھی۔ وہ کرنل اشر کی اس کمزوری کو پوری طرح سے ایکسپلائٹ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو کرنل جو مجھ پر اب تک اتنا مہربان بنا ہوا تھا وہ میرا مخالف بھی ہو سکتا تھا۔ لہذا میرا یہاں سے جلد از جلد نکلنا بھی بے حد ضروری تھا۔ تاکہ فوری ایکشن میں آکر اپنی غلطی کا ازالہ کر سکوں۔

کمرے کا اکلوتا دروازہ پوری شان کے ساتھ بند تھا، ایک روشندان تھا جس سے باہر کی روشنی چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ اس سے لگتا تھا کہ باہر دن ہی ہے رات نہیں البتہ اس سے قبل میں جس کمرے میں تھا وہاں سے مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ باہر دن ہے یا رات۔ میں نے چاروں طرف کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کوئی ایسی چیز دیکھنے لگا جس کو استعمال کر کے میں کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ مجھے لیٹے لیٹے تو کچھ بھی ایسا نہ ملا خیر میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک بھرپور انگڑائی لی اور اپنے جسم کو ہلانے جلانے لگا تاکہ اسے ایکٹو کر سکوں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں پڑے پڑے میرے جسم کو زنگ ہی نہ لگ گیا ہو۔ ایسا کچھ نہیں تھا مجھے اپنی جسمانی حالت دیکھ کر کچھ تسلی ہوئی تو میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کپڑے جھاڑ کر ان سے چیونٹیاں ہٹائیں، پھر میں نے آگے بڑھ کر کمرے کے دروازے کو خوب اچھی طرح سے چیک کیا وہ آہنی دروازہ مضبوطی کے ساتھ بند تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کا موئنہ کرتا رہا مگر مجھے اس سے کچھ بھی نکلنے کی امید نہ ہوئی۔ تو سیدھا باتھ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ کھول کر میں اندر داخل ہوا تو بدبو کا ایک بے رحم جھونکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا اور میں نے اس کے ساتھ ہی اپنا ہاتھ ناک کے اوپر رکھ لیا۔

اس کی حالت بھی کمرے سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی، بیڑہ غرق ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہر قسم کے ضروری سامان سے عاری تھا۔ وہ لوگ مجھے ایک فالتو کچرا سمجھ کر کوڑے دان کے اوپر پھینک کر چلے گئے تھے۔ دل سے بے اختیار ان کے لئے دعاؤں کا ایک سیلاب نکلا جس میں یہ دعا بھی تھی کہ خدا میجر ڈریگن کو بھی ایسی ہی جگہ نصیب کرے تاکہ اگر اسے تھوک پھینکنے کا دل کر رہا ہو تو وہ بھی نہ پھینک سکے۔ پھر اسے پتہ چلے گا کہ انسانوں سے ایسا سلوک کرنے کی کیا سزا تھی۔ مجھے رہ رہ کر اس پر غصہ آ رہا تھا مگر یہاں کھڑے رہ کر تو میں اس سے کوئی بدلا نہیں لے سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی کہ وہ مجھ سے دور تھا میں صبر کا کڑوا گھونٹ پی گیا۔

وہ ایک چھوٹا سا باتھ روم تھا خیر میں اندر داخل ہوا اور سیدھا واش بیسن کے پاس آیا اور اس کی ٹونٹی کھول کر اس میں سے منہ دھویا اور میلے آئینے میں اپنی شکل دیکھنے لگا تو دوسرے پل مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں خود کو پہچان ہی نہیں پا رہا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی بال بری طرح سے الجھے ہوئے تھے ۔ چہرے پر نا معلوم کتنے دنوں کی میل جمی ہوئی تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں اب نہاتا مگر شاید ابھی وہ لوگ مجھے اس کی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے ۔ کیونکہ باتھ روم میں نہانے کا کوئی بھی مناسب بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔

میری حالت بھی کمرے کی طرح ابتر تھی بلکہ میں خود اس کمرے کا پرانا باسی معلوم ہو رہا تھا۔ گلے میں ٹائی لٹکی ہوئی تھی جو اتنے مشکل حالات سے گزرنے کے بعد ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ میں نے اسے مزید ڈھیلا کیا اور پھر اپنی گردن کو اس کی قید سے آزاد کروالیا۔ اسے لپیٹ کر میں نے پینٹ کی جیب میں رکھ لیا، اس کے بعد میں ٹوٹی میں ہاتھ دے کر کافی دیر تک ٹھنڈے پانی کو محسوس کرتا رہا تھا۔ مجھے وہ کافی بھلا لگا۔ اس کے بعد میں نے ٹوٹی بند کی اور ایک خیال کے آتے ہی میں نے ایک بار پھر سے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ وہاں سے ٹائی باہر نکال لی اور کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

اس کی گرہ کھول کر میں نے اسے اپنے ہاتھوں میں لپیٹ لیا۔ اب یہ میرے کام آسکتی تھی اور اسے کام میں لانے کے لئے مجھے صحیح موقعے کا انتظار تھا۔ میں نے خود سے سوال کیا کہ آخر میں کب تک یوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے فارغ بیٹھ سکتا تھا اور وہ لوگ مجھے میری مرضی کے خلاف استعمال کرتے رہتے آخر کب تک یہ میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں ایک آزاد انسان تھا اور مجھے خود پر پورا اختیار ہونا چاہیے تھا۔ ایک بے ہوشی کے بعد دوسری اور پھر تیسری یہ کھیل آخر کب تک چلتا رہتا؟ مجھے اس سب کچھ سے جان چھڑانی تھی اور بہت جلد چھڑانی تھی۔

یہی سب کچھ سوچتا ہوا میں ٹائی کو اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹتا ہوا واپس کمرے میں آگیا۔ پیٹ خالی تھا، بھوک اور پیاس کا احساس شدت سے غالب تھا۔ میجر ڈریگن تو واقعی مجھے عام انسانوں کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا اور بقول اس کے کہ وہ ہر انسان کو محض کیڑے مکوڑے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔ وہ بات اب سچ ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے مجھے اس کمرے میں رکھنے سے لے کر کھانے پینے تک کسی بات کا خیال نہیں رکھا تھا۔ وہ واقعی ایک ظالم جابر قسم کا شخص تک اور جو میں نے اس کے بارے میں اس کی پروفائل میں پڑھا تھا وہ سچ ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن برداشت کی بھی کوئی حد تھی سو عنقریب وہ برداشت ختم ہو کر میجر ڈریگن کے لئے کاؤنٹ ڈاؤن شروع کرنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اس وقت تمام ضروری چیزوں سے فارغ ہو کر اسلام آباد کے سب سے بڑے فائیو سٹار ہوٹل میں ایک امیر کبیر عربی شیخ قاسم کے روپ میں موجود تھا۔ ہوٹل گرین اسٹارم کی تیسری منزل کے ایک سو چوبیسویں روم میں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا چائے سے اپنا دل بہلا رہا تھا۔ میری آج شام پانچ بجے کی فلائٹ تھی جو اسلام آباد سے سیدھا دبئی جانی تھی۔ میری واپسی کے تمام انتظامات کرنل اشر نے خود کئے تھے۔ میں لیبارٹری سے لفٹ مانگتا گاڑیاں بدلتا سب سے پہلے ایک مقامی ہوٹل پہنچا تھا جہاں پر کرنل کے مقامی ایجنٹ نے میرا استقبال کیا تھا۔ پھر ایک گھنٹے میں میں خفیہ طور پر وہاں سے شیخ قاسم کے میک اَپ میں ہوٹل گرین اسٹارم پہنچا تھا۔

بات دراصل یہ تھی کہ مصنوعی لیبارٹری میں ڈاکٹر عباس کے ہاتھوں جب ڈیوڈ کی کہانی کا ڈراپ سین ہوا تو اس کے بعد میں نے مکمل طور لیبارٹری کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر صاحب کو با حفاظت وہاں سے روانہ کیا۔ وہ ایک آرمی کے ہیلی کاپٹر پر وہاں تک پہنچے تھے جس کا ہیلی پیڈ لیبارٹری کی چھت پر بنا ہوا تھا۔ سو ان کی واپسی بھی اسی ہیلی کاپٹر میں ہوئی تھی جو اس دوران مسلسل چھت پر موجود رہا تھا۔ ان کی روانگی کے

بعد میں نے سب سے پہلے اپنے ہیڈ کوارٹر فون کر کے انہیں مکمل رپورٹ دی۔ وہاں سے مجھے جو نئے احکامات ملے ان کے مطابق مجھے دشمنوں کی تمام لاشیں وہیں دفن کرنی تھیں اور مرزا منصور سمیت ہمارے دیگر دوست جو شہید ہوئے تھے ان کے لئے آرمی کے خفیہ طیارے کا بندوبست ہوا تھا۔ جو ان کی لاشیں وہاں سے سیدھا ہیڈ کوارٹر لے گیا۔

پھر وہاں سے وہ لاشیں قومی پرچموں میں لپیٹ کر پورے اعزاز کے ساتھ ان کے آبائی گائوں میں پہنچائی جانی تھیں۔ مجھے مرزا منصور کی موت کا بے حد دکھ تھا۔ وہ کافی قابل اور ہونہار ساتھی تھا مگر وہاں رونے اور غم کرنے کا وقت نہیں تھا۔ زندگی کی اس بے رحم گاڑی نے آگے بڑھ جانا تھا اور اس فانی دنیا کی یہی حقیقت تھی۔ میں نے دل پر پتھر رکھ کر اس سارے غم کو برداشت کیا۔ وہاں کی تلاشی کے دوران ڈیوڈ کا پرسنل موبائل فون بھی مل گیا جو میں نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ میں نے اس کی مدد سے سب سے پہلے ڈمی ڈاکٹر کی لاش کی فوٹو کرنل اشر کو موبائل کے ذریعے کھینچ کر بھجوائی اور ساتھ میں لکھ دیا کہ اس کی موت عابد ڈان کے زہر سے ہوئی۔

جواب میں کچھ ہی دیر میں کرنل اشر کی مبارک بھری فون کال آ گئی، اسی دوران اس نے میری واپسی کا ذکر چھیڑ دیا کہ اس نے میری واپسی کا بندوبست اس دفعہ کچھ الگ ہی طریقے سے کیا ہے۔ مجھے راستے میں چند ضروری کام کرتے ہوئے واپس امریکہ پہنچنا تھا۔ انہی کاموں کے سلسلے میں عربی شیخ کا روپ بھی تھا۔ فون کال کے اختتام پر میں نے مصنوعی لیبارٹری کے تہہ خانے میں ڈائنامائیٹ لگا کر اسے مکمل طور پر مسمار کر دیا۔ چند ہی دنوں کے اندر ڈاکٹر عباس کی موت کی خبر اخبارات کی زینت بنی تھی اور میرے بطور ڈیوڈ مشن کی کامیابی پر مہر ثبت ہو جانی تھی۔ یہ سارا کام ہیڈ کوارٹر نے بیک اینڈ پر کرنا تھا یہاں پر میرا کام تمام ہوا۔

تمام ضروری کام سے فارغ ہونے کے بعد اب میں ہوٹل میں موجود تھا۔ اس وقت شام کے چار بجنے والے تھے میں نے ٹیکسی پہلے ہی بک کر والی تھی جو مجھے ٹھیک ساڑھے چار بجے لینے آنے والی تھی۔ میں بلیک ڈائمنڈ ایجنسی کے جس مقامی ایجنٹ سے یہاں پر ملا تھا اس نے میرے تمام ضروری کاغذات پورے کر کے مجھے ہوٹل کے بیک ڈور سے خاموشی سے رخصت کروا دیا تھا۔ وہاں سے میں ایک گلی میں پہنچا تھا جو مجھے سیدھا مین روڈ پر لے آئی تھی۔ اس کے بعد میں ایک مہنگی ٹیکسی کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے اسلام آباد کے سب سے مہنگے ہوٹل گرین اسٹارم میں پہنچایا تھا۔

میری کہانی پڑھنے والے بہت سے قارئین کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور گردش کر رہا ہو گا کہ میں جس دور کی کہانی آپ کو سنا رہا ہوں، اس دور میں تو اتنی ترقی نہیں ہوئی جتنی میں نے دکھا دی، جیسے جدید ترین موبائل فون اور پھر اس میں انٹرنیٹ کی سہولت تو اُن قارئین کے لئے

میرا سیدھا سا جواب یہ کہ میں جس ایجنسی میں کام کرتا تھا یا میرے مقابلے میں جو تنظیمیں آتی تھیں وہ سب کی سب یہ سہولیات استعمال کر رہی تھیں کیونکہ ان سہولیات کا استعمال ان کی ایجادات کے فوری بعد سب سے پہلے ہماری جیسی انٹیلی جنس ایجنسیاں کرتی ہیں پھر جب وہ ٹیکنالوجی ہمارے لئے

پرانی ہو جاتی ہے یا اس کی جگہ کوئی نئی آجاتی ہے تو اسے پھر عوام کے استعمال میں لایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہمیشہ عوام الناس سے آگے ہوتے ہیں اور جس ترقی کا ہم فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں وہ عوام سے کوسوں دور ہوتی ہے۔

میں اس وقت بیٹھا بظاہر چائے کی چسکیاں لے رہا تھا مگر در حقیقت اپنی ماضی کی حسین یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ وہ لمحے کتنے بھلے تھے جب میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ ماں کی آغوش میں میں نے دنیا کو دیکھا، اس نے مجھے ہر پت جھڑ، سردی، گرمی سے بچایا۔ بے شک ہر ماں کی طرح میری ماں بھی مجھ سے بہت پیار کیا کرتی تھی۔ اکلوتا ہونے کی وجہ سے میں اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارہ ہوا کرتا تھا۔ ابھی چیز میری زبان سے نکلی نہیں ہوتی کہ مجھے وہ لے کر دے دی جاتی تھی۔ پڑھائی میں بھی میں بچپن سے ہی اول آیا کرتا تھا۔ میں ہر گز شرارتی نہیں تھا بلکہ اکثر دوسروں کی شرارتوں کا نشانہ بنتا تھا۔ میرے بچپن میں میری ماں ہی میری دوست ہوتی تھی کیونکہ والد صاحب فوج میں ہوا کرتے تھے اور انہیں اپنے محاذ سے ہی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ مگر میں نے اس بات کا شکوہ کبھی ان سے نہیں کیا کیونکہ انہی جیسے سپاہیوں کی وجہ سے ملک کا ہر بچہ محفوظ ہے۔

میرے کمرے میں کھلونوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی اور مجال ہے کہ کوئی کھلونہ ایک سے زیادہ دن ٹکا ہو۔ اس لئے نہیں کہ میں شرارتی تھا بلکہ محلے داروں اور رشتہ داروں کے بچے جو کہنے کو میرے دوست ہوتے تھے آکر سب کچھ فنا کر دیا کرتے تھے۔ مجھے بچپن میں ریل گاڑی لینے کا بہت شوق تھا۔ اکثر رشتہ داروں کے گھر آنا جانا ہوا تو ریل گاڑی کا ہی سفر کیا جو ہمیشہ ہی یادگار ہوا کرتا تھا۔ مجھے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر چلتی ٹرین میں انجن دیکھنے کا بہت شوق تھا اور اسی وجہ سے میں ایک آدھ دفعہ ڈانٹ بھی کھا چکا تھا۔

بے شک کسی کی زندگی میں اس کے والدین کا ہونا کسی نعمت سے کم نہیں۔ میری اب نہیں تھی، مجھے وہ بیتے پل ایک ایک کر کے یاد آنے لگے، مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب مجھے میری ماں پہلے دن اسکول چھوڑنے گئی تو میں بہت رویا تھا۔ مگر پھر اس دن کے بعد مجھے کبھی رونا یاد نہیں۔ میں بہت جلد ایڈجسٹ ہو گیا۔ میرا بچپن والد صاحب کی پوسٹنگ کی وجہ سے مختلف شہروں میں گذرا۔ جس میں کراچی، ملتان اور لاہور قابل ذکر ہیں۔ ہمیں ہمیشہ پاکستان کے بہترین لوگوں سے پالا پڑا جہاں جاتے تھے تو ان سے کافی پیار ملا۔

میرے اکثر رشتہ دار آج بھی سندھ میں آباد ہیں اور سیاست سے دور ایک پر امن زندگی گزار رہے ہیں۔ مجھے اپنے والدین کے بعد سب سے زیادہ پیار اپنے چچا سے ملا۔ جو والد صاحب کے واحد چھوٹے بھائی ہیں۔ جبکہ میرے دو ماموں اور ایک خالہ تھیں۔ مگر اس فیلڈ میں آنے کے بعد ان سے تمام رشتے ناتے ٹوٹ گئے۔ بلاشبہ یہ فیلڈ سب سے زیادہ کٹھن ہے جو آیا ہے اسے واپسی کے تمام دروازے بند کرنے پڑے ہیں، تمام کشتیاں جلا کر آنا پڑا ہے۔

میں ابھی انہی یادوں میں کھویا ہوا تھا کہ روم سروس کی جانب سے مجھے کال آنے لگی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا تو دوسری جانب سے کاروباری انداز میں منیجر نے کہنا شروع کیا۔

"جناب شیخ صاحب آپ کو ڈسٹرب کرنے کی میں بہت معذرت چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ برا نہیں منائیں گے، جناب آپ نے جو ٹیکسی بک کروائی تھی وہ آپ کو لینے کے لئے آگئی ہے۔ آپ کی روانگی کا ٹائم ہو گیا ہے برائے مہربانی آپ نیچے تشریف لے آئیں۔۔۔" میں نے اس کی بات سنی تو چونک کر اپنی ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر دوڑائی تو واقعی میرے مقررہ وقت سے ٹائم پانچ منٹ زیادہ ہو گیا تھا۔

"جی میں آپ کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے کال کر کے یاددہانی کرا دی میں بس ابھی آرہا ہوں۔۔"

"ارے نہیں نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں، شکر گزار تو مجھے آپ کا ہونا چاہیے کہ آپ نے ہمیں اتنی عزت بخشی اور ہمیں اپنی خدمت کا موقعہ دیا۔ آپ نے اپنے قیام کے لئے ہمارے ہوٹل کا انتخاب کیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی آکر اسی طرح ہمارے ہوٹل کو عزت بخشیں گے ۔۔۔" اس کے روایتی فقروں کے بعد لائن ڈراپ ہو گئی تو میں ایک گہرا سانس لے کر چائے کا کپ خالی کیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چائے میری یادوں کے چکروں میں پہلے ہی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

میں پہلے وہاں سے سیدھا واش روم گیا، ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور پھر روم کو لاک کرتا ہوا راہداری میں آگیا۔ وہاں سے میں نے لفٹ پکڑی اور فوراً گراؤنڈ فلور پر آیا پھر وہاں سے میں کاؤنٹر پر آیا انہیں کمرے کی چابی تھمائی اور پھر تیز تیز چلتا ہوا باہر پارکنگ کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں پر ایک ٹیکسی پہلے سے ہی میرا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ معلوم مجھے سکھ کا سانس کب نصیب ہو اس کے لئے مجھے حالات کو اپنے موافق بنانا تھا۔ جب جب میری آنکھ کھلی تھی میں نے تب تب اپنے آپ کو کسی نہ کسی حوالے سے مجبور اور بے بس پایا تھا۔ مجھے ایک نیا منظر، نئے کھیل اور نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مجھے وہ جہنم کی آگ بھی کسی طور نہیں بھول رہی تھی جس نے قریب قریب مجھے جلا کر بھسم کر دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیا تھا شاید فلیش فارورڈ تھے، مگر زندگی میں میں نے کبھی بھی مستقبل بینی نہیں کی اور نہ ہی مجھے یوں خواب آئے ہوں کہ اور اس میں مجھے کوئی اشارہ ملا ہو کہ آگے آنے والے دنوں میں کیا ہو گا۔ فل الحال اسے میں نے ایک ڈراؤنہ خواب سمجھ کر ایک بار پھر سے بھلا دیا۔ کیونکہ جس بھی صورت حال کا سامنا مجھے کرنا پڑتا میں اس کے لئے تیار تھا۔

میں نے کبھی بھی بھوک پیاس کی ہر چندہ پرواہ نہیں کی۔ لیکن آخر میں کب تک خلاء میں یوں ٹامک ٹوئیاں مار سکتا تھا مجھے یہاں سے نکلنا تھا اور اس کے لئے میرا ہر لمحہ بہت قیمتی تھا۔ مگر میں خود کچھ نہیں کر سکتا تھا مجھے جہاں حالات لے جارہے تھے میں اسی رو میں بہتا چلا جارہا تھا۔ میں اس وقت دوسروں کے رحم و کرم پے تھا۔ لیکن اگر مجھے تھوڑا سا بھی موقعہ ملا تو میں اس موقعے سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

میں نے ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیا تو میری نظر روشن دان پر پڑی جو میری پہنچ سے بہت دور تھا۔ مجھے اس تک پہنچنے کے لیے کسی شخص کا لازماً کندھا چاہیے تھا اور وہ شخص کم از کم یہاں سے تو نہیں مل سکتا تھا۔ یا پھر کوئی ایسی چیز ہو جس پر میں چڑھ کر اس تک پہنچ پاتا وہ چیز بھی مجھے دکھائی نہیں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

دی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی جگہ ایسی نہ ملی جس سے میں باہر نکل سکتا۔ اب مجھے کوئی اللہ کا بندہ ہی باہر سے آکر نکالے تو نکالے ورنہ اندر سے تو کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔
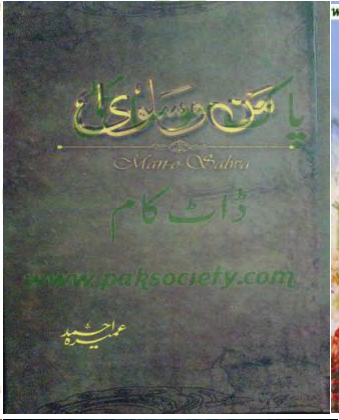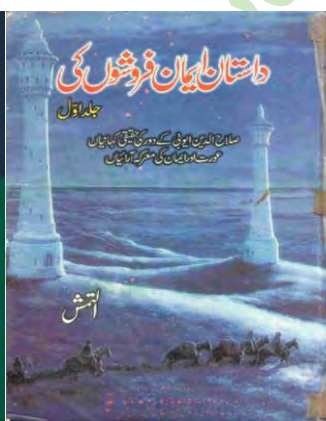
مجھے امید تھی کہ اتنا لمبا عرصہ بھوکا پیاسا نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ میجر ڈریگن کی میری بارے میں جو بھی رائے رہی ہو پر اسے اپنی مائیکرو فلم لازی چاہیے تھی۔ اس کی خاطر ہی تو وہ یہ سار کھڑاپ کر رہا تھا۔ وہ مجھے بھی کھونا نہیں چاہتا تھا اس لئے مجھے پوری امید تھی کہ وہ ضرور اپنے آدمیوں کو اس کمرے میں بھیجے گا۔ سو میں سکون سے واپس آکر اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گیا، اب انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ چڑ انتظار کرنے سے تھی۔ ایک تو بلاوجہ کا وقت ضائع ہوتا تھا دوسرا یہ جتنا بھی ہو اپنی اصل مقدار سے زیادہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ انتظار کر کر کے انسان کا وزن کم ہو جاتا ہے بلکہ جلد ہی اس کے چہرے پر جھریاں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں جس سے وہ اپنی عمر سے کچھ زیادہ ہی بڑھا لگنے لگتا تھا۔ ویسے بھی ابھی تو میری عمر دوڑنے بھاگنے کی تھی وہیل چیئر پر گھومنے گھومانے کی تو ہرگز نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں ہوٹل کے مین ڈور سے باہر نکل کر پارکنگ کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں ایک ٹیکسی والا پہلے سے ہی میرے لئے اپنی ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر کھڑا ہوا تھا۔ وہ کوئی بیس بائیس سال کا نوجوان تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اپنی تعلیم چھوڑ کر اس دھندے میں لگا ہوا تھا۔ گاڑی کے پاس پہنچتے ہی اس نے مجھے ہاتھ اپنے ماتھے پے لے جا کر سلام کیا جس کا میں نے سر کی ہلکی سی جنبش سے جواب دیا اور آگے بڑھتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں اس وقت سوائے ایک بریف کیس کے اور کچھ نہیں تھا، اس نے میرا دروازہ بند کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ مجھے وہ شکل وصورت سے کافی اچھا دکھائی دیا۔ ٹیکسی اسٹارٹ کرتے ہی میں اس سے گویا ہوا:

"کیسے ہو دوست؟ کیا نام ہے تمہارا؟۔۔۔" میں نے اس سے اردو میں بات کی کیونکہ میں ایک کاروباری شیخ تھا اس سلسلے میں میرا اکثر پاکستان آنا جانا تھا تو وہی رول میں اب نبھا رہا تھا۔ البتہ میں نے اپنے لہجے میں خالصتاً عربی اسٹائل رکھا تھا بالکل ویسے ہی جیسے مجھے ڈیوڈ کا رول ادا کرتے ہوئے خالصتاً امریکی لب ولہجہ رکھنا پڑتا تھا۔

" ٹھیک ہوں صاب میرے اللہ کی بہت ہی نوازشیں ہیں کہ وہ مجھے روزی دے رہا اور میرا گھر چل رہا ہے۔۔۔ صاب میرا نام صابر ہے"

"لیکن تمہاری تو ابھی پڑھنے کی عمر ہے پھر یہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں تو کسی مدرسے میں ہونا چاہیے تھا۔۔؟"

"صاب کیا کروں؟ میری ماں بیمار ہے اگر میں پڑھوں گا تو میرے چھوٹے بہن بھائی فاقوں پر آجائیں گے اور میری ماں کی حالت کافی نازک ہے تو آپ بتائو صاب میں کیسے پڑھ سکتا ہوں؟" اس کی بات سن کر مجھے بھی کافی افسوس ہوا۔

"کیوں تمہارے والد صاحب نہیں ہیں کیا؟"

-"نہیں صاب وہ تو میں جب ایف ایس سی میں تھا تو انتقال کر گے۔ انہیں ٹی بی جیسا مہلک مرض لاحق تھا بس اعلاج کرواتے رہے جب اوپر سے بلاوا آیا تو یوں ہی کھانستے کھانستے دنیا سے رخصت ہو گئے۔۔۔"

"تمہاری باتیں سن کر افسوس ہوا۔۔۔ کیا تمہاری خواہش ہے کہ تم آگے پڑھو اور تمہاری والدہ کا اچھے سے علاج بھی ہو جائے۔"

"ہاں صاب ہمارا کیوں دل نہیں چاہیے گا کہ میرے چھوٹے بہن بھائی کو تعلیم بھی ملے اور ان کی شادیوں بھی ہو جائیں۔ اس کے علاوہ میری خواہش ہے کہ میری والدہ کا اچھے سے آپریشن ہو جائے اور پھر میں ان کو عمرہ بھی کرواؤں۔ پر لیکن یہ سب باتیں خواب وخیال میں ہی اچھی لگتی ہیں ان کا حقیقت سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔۔۔

"اگر تمہاری یہ سب خواہشیں پوری ہو جائیں تو کیا تم میری بات پر یقین کر لوگے ؟"

"کیا بات کر رہے ہو صاب ؟ پیسے کوئی پیڑ پر لگتے ہیں کیا؟ صاب آپ ایسا مذاق نہ کرو ہم سے، تمہیں خدا کا واسطہ صاب"

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کیا تمہیں آگے پڑھنے کی خواہش ہے ؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو صاب، میری سب سے بڑی ذاتی خواہش ہی پڑھنے کی ہے اور شاید اب تو مرتے دم تک میں کبھی نہ پڑھ سکوں"

"ایسی باتیں نہیں کرتے، یادرکھنا یہ جو اوپر والا ہے ناں یہ ہر کام کر سکتا ہے۔۔۔ اس سے کبھی مایوس مت ہونا، یہ بتاؤ ایف ایس سی میں کیا مضامین تھے ؟

صاب یہ تم میرا کیوں انٹرویو لے رہو ہو، ہم بہت عام آدمی ہے۔ ہمیں بہت ڈر لگتا ہے صاب ام آپ کو اور کچھ نہیں بتائے گا۔ صاب ام کو معافی دے دو۔۔۔۔"

"ارے نہیں نہیں گھبراتے کیوں ہو؟ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، میں شیخ قاسم بذات خود یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہارا سارا خرچہ پورا ہو جائے گا۔ مجھ سے اترتے وقت ایک نمبر لے لیناوہ تمہاری مدد کرے گا۔ میرا یہاں جاننے والا ہے وہ تمہاری ہر خواہش پوری کر دے گا اور تم سے ایک روپیہ بھی نہیں لے گا تمہاری ماں کا علاج بھی ہو گا، اس کے عمرہ کرنے کی خواہش بھی پوری ہو گی اور تمہارے چھوٹی بہن بھائی کی شادی بھی ہو گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"میں نے بیک مرر میں دیکھتے ہوئے اسے انتہائی وثوق سے کہا تو اس نے بے اختیار ٹیکسی روک دی۔ اور میری جانب گھورنے لگا۔ اسے میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں ہاں مجھ پر یقین رکھو میں ایسا گھٹیا مذاق نہیں کرتا جس سے کسی کے جذبات مجروح ہوں۔۔۔ بلکہ رکو۔۔۔ میں تمہیں ایک کارڈ دیتا ہوں اس پر تمام نمبر ز اور پتے وغیرہ درج ہیں۔ ان پر رابطہ کرنا وہ تمہاری ہر قسم کی مدد ہو جائے۔۔۔۔۔"یہ کہتے ہی میں نے بریف کیس سائیڈ سے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور پھر اسے کھول کر اس میں سے ایک کارڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ اس پر نام پتہ سب فرضی تھا یہ دراصل میرا ہی قائم کیا ہوا ایک فلاحی ادارہ تھا جو صابر جیسے مستحق لوگوں مدد کی کرتا تھا۔ یہ میرا ایک درپردہ چلنے والا عوامی فلاحی ادارہ تھا جسے مخیر حضرات ڈونیٹ کر کے لوگوں کے لئے وسیلہ بناتے تھے۔ اس کی میں مزید تفصیل بتا کر قارئین سے اپنی تعریف نہیں کروانا چاہتا سو اسے راز ہی رہنے دیں۔ یہ میرا اور میرے رب کا معاملہ ہے، اس نے خوشی خوشی دعائیں دیتے ہوئے وہ کارڈ اپنے پاس رکھ لیا اور ایک بار پھر سے ٹیکسی دوڑانے لگا۔ ہماری منزل اسلام آباد ائرپورٹ تھی اور فلائٹ شام پانچ بجے کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میں گزشتہ واقعات پر غور و فکر کرنے لگا جب کرنل اشر اور میجر ڈریگن اپنے معاملات طے کر رہے تھے۔ اس بات چیت کے بات وہ مجھے لاسٹ وانِنگ دے کر گیا تھا اس دوارن اس نے ایک ایسی بات کہی تھی جو مجھے اب تک کھٹک رہی تھی اور وہ یہ کہ اس وقت میں جس جگہ پر تھا، جو ابھی تک دنیا کے نقشے پر ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی۔ اس بات کے دوران اس کے لہجے کی پختگی اس بات کی چغلی کھا رہی تھی کہ وہ جو کہہ رہا تھا وہ سچ تھا۔

تو وہ اگر درست کہہ رہا تھا تو کیا واقعی میں اس وقت دنیا کی خشکی کے اس حصے پر تھا جو اب تک دریافت نہیں ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہی تھا جیسا کہ وہ کہہ رہا تھا تو پھر اس بات کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟ اور اگر وہ مجھ پر صرف دھونس جمانے کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہا تھا تو یقینا کرنل اشر نے اس کی کال اب تک ٹریس کر لی ہو گی اور اب وہ میری تلاش میں اپنی ٹیم بھیجنے والا ہو گا۔ کیونکہ وہ مجھے کبھی بھی نہیں کھونا چاہتا تھا۔ جیسے وہ فوٹو گرافس اس کے لئے اہم تھیں ویسے ہی میں بھی اب اس ٹاپ سیکرٹ ایجنسی کا لازمی جذو بن چکا تھا۔

لیکن اگر میں یہاں سے نکلنے میں کسی طرح سے کامیاب بھی ہو گیا تو کرنل اشر سے کس طرح رابطہ قائم کرونگا اور اگر اس سے کسی طرح سے رابطہ ہو بھی گیا تو کیا وہ لوگ میری لوکیشن ٹریس کر لیں گے۔ بات صرف کرنل اشر کی ہوتی تو ٹھیک تھا مگر میں تو ڈبل کراس ایجنٹ تھا میرے پیچھے سارے معاملات پاکستان سے چلتے تھے اور ان کے گرین سگنل کے بغیر میں باز اوقات ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا اور جو خفیہ پیغام میں نے ٹشو پیپر پر لکھ کر بھجوایا تھا اب تک اس کا جواب بھی آ گیا ہو گا۔ مجھے اس کی طرف بھی توجہ دینی تھی۔

یہ وہ ساری باتیں تھیں جن میں میں الجھا ہوا تھا اور بظاہر مجھے کوئی واضح لائن آف ایکشن بھی نظر نہیں آ رہا تھا کہ جس کے عمل کرتے ہی میں آگے بڑھ سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سے قبل کے میں کچھ مزید سوچ پاتا مجھے باہر سے چند تیز تیز چلنے والے قدموں آوازیں آنے لگیں۔ وہ کون تھے اور آ کر میرے میرے ساتھ کیا کرنے والے تھے مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ میں ان کی آوازیں سن کر ہوشیار ہو گیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرے نکلنے کی سبیل پیدا ہونے والی تھی۔

میں نے ٹائی اپنے دائیں ہاتھ سے کھول کر اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں لپیٹ لیا۔ بظاہر ایک عام سی دکھائی دینے والی ٹائی میرے کس کام آسکتی تھی یہ چیز قارئین کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہو گی۔ ان نامعلوم افراد نے آہنی دروازے کے پاس ایک دوسرے سے روسی زبان میں بات کی جو میرے پلے نہ پڑ سکی، جس کی ٹون میں رفتہ رفتہ اضافہ ہونے لگا۔ اسی چکر میں کچھ دیر صرف ہو گئے، پتہ نہیں شاید ان کے درمیان کسی مسئلے پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ میں خاموشی سے ان کے بولنے کے انداز سے اندازہ لگاتا رہا۔ دل ہی دل میں میرے یہی صدا تھی کہ وقار اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔۔۔

پھر آہنی دروازہ کھولا جانے لگا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک دھماکے سے کھلا اور چار پانچ لمبے تڑنگے روسی فوجی کو دتنتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور کمرہ خالی دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ اس سے قبل کے وہ مجھے تلاش کر پاتے میں ان کے پیچھے دروازے کے عین اوپر لگے ہوئے ہک کے ساتھ لٹکے ہوئے ایک دم سے اچھل کر نیچے اترا اور سب سے پیچھے والے فوجی کی گردن میں میں نے اپنی ٹائی پھنسا دی۔ وہ بری طرح سے تڑپنے لگا اور پھر اسے پوری قوت سے لیتا ہوا باہر راہ داری میں آگیا جہاں ایک اور فوجی گن لئے میرا منتظر تھا اس سے قبل کہ وہ اس نئی افتاد کے لئے تیار ہوتا میں نے اچھل کر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ایک بھرپور لات رسید کی اور وہ اڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا لگا۔ اس کا سر پوری شدت سے دیوار پر لگا اور وہ نیچے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ معلوم نہیں اس قدر قوت میرے اندر کیسے عود آئی تھی۔۔ اس کے بعد میں دہاڑا:

خبردار اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی کوئی بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔ تمہارا یہ ساتھی ابدی نیند سو جائے گا۔۔" وہ ایک راہ داری" تھی اور میں نے اس دوران پوری راہ داری دیکھ ڈالی مجھے ظاہری طور پر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر دیکھا تو ان کی بندوقوں کے رخ میری طرف ہو گئے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ لوگ میری کسی حرکت کو سمجھتے میں نے اپنے بازوؤں میں پھنسے ہوئے شکار کو پوری قوت سے ان کے اوپر اچھال دیا۔

وہ بے چارہ چیختا ہوا اڑ کر ان کے اوپر گرا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ بڑھا کر آہنی دروازہ گھمایا اور اسے بند کر دیا۔ میرے پیچھے گولیوں کی ایک بوچھاڑ آئی مگر تب تک میں دروازہ اچھی طرح سے بند کر کے باہر سے اسے تالہ لگا چکا تھا۔ اس وقت تو میں چھلاوہ بنا ہوا تھا، میرے ہاتھ اس وقت جو لگتا اس کی موت یقینی تھی اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میرے ہاتھ میں اب بھی کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ میری ٹائی ہی میرا سب سے بڑا ہتھیار تھی اور اگر اس ٹائی کو ٹھیک طرح سے استعمال کیا جاتا تو یہ بیک وقت کئی خطرناک ترین ہتھیاروں پر بھاری تھی۔ بس بات تھی تو وہ اس کے استعمال کی جس کا عملی مظاہرہ میں اپنے قارئین کو ابھی بیان کر چکا۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے ٹیکسی ٹھیک دس منٹ پہلے جا کر ائر پورٹ پر روکی۔ شام پانچ والی فلائٹ مجھے سید ھا دبئی لے کر جانے والی تھی۔ ہماری ٹیکسی ابھی ائیر پورٹ کی عمارت کے کمپائونڈ میں داخل ہوئی تھی کہ مجھے دور سے وہ چہرہ نظر آ گیا جس نے اب تک میرے قیام میں مکمل مدد کی تھی۔ یہ کرنل اشر کا مقامی ایجنٹ ڈاگ وولف تھا مذہب کے اعتبار سے کٹر یہودی تھا مگر میرے پیارے پاکستان میں عیسائی کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ یہاں پر اس کا کاروں کا شوروم تھا جس میں وہ امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار کرتا تھا۔ دنیا بھر سے نئی اور جدید ماڈل کی کارز منگواتا اور انہیں یہاں کی اشرافیہ میں بیچ دیتا تھا۔ انہی میں چند اس کے ایسے بھی گاہک تھے جو چند روز گاڑی رکھ کر پھر کوئی نئی خرید لیتے تھے۔ جتنے امیر اتنے ہی فضول خرچ، انہیں یہ خوب جی بھر کر لوٹتا تھا اور کمائی کرتا تھا۔

یہ کرنل اشر کا سب سے اعتباری بندہ تھا اور جب بھی اسے پاکستان میں کسی بھی حوالے سے کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو وہ اسے کال کر لیتا تھا۔ ڈاگ وولف نے درپردہ اپنی ایک باقاعدہ پرائیویٹ فورس بنائی ہوئی تھی جسے وہ وقتاً فوقتاً استعمال کر کے پاکستان میں مختلف قسم کی تخریب کاریاں کرتا رہتا تھا۔ جیسے جلائو گھرائو، توڑ پھوڑ سڑکیں جام کرنا، دنگے فساد کرنا اور اس جیسے دیگر کئی کام یہ اپنی فورس کی مدد سے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا کر کروالیا کرتا تھا۔

ہمارے پاکستان کے سیاست دانوں کا یہی المیہ تھا کہ انہوں نے ہمیشہ عوام کو جاہل رکھا تھا اور جب بھی کہیں کوئی بات ان کے جذبات کے خلاف ہو جاتی تھی تو یہ بے چارے جلائو گھرائو کرنے اور سڑکیں بلاک کرنے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں ایکسپلائٹ کرنا کا یہ بہترین موقع ہوتا تھا۔ ان کے نزدیک ہر مسئلے کا حل سرکاری املاک کو آگ لگانا اور سڑکیں بند کرنا ہوتا تھا مگر ہمارے نادان لوگ یہ نہیں جانتے کہ اس میں ان ہی کا نقصان تھا۔

خیر ڈاگ وولف جیسے لوگ اس طرح کے کام باخوبی کرالیا کرتے تھے۔ اس کے حکومتی سطح پر بہت گہرے تعلقات تھے جن کا یہ فائدہ اٹھا کر اکثر گرفتاری وغیرہ اور پکڑ دھکڑ سے بچ جاتا تھا۔ ڈاگ وولف کی شکل بھی اس کے نام کی ہی طرح تھی اور اس کے اعمال بھی ویسے ہی تھے۔ ایک نمبر کا چھٹہ ہوا بدمعاش لگتا تھا اور چہرے پر دنیا جہاں کی پھٹکار پڑی ہوئی تھی۔

ٹیکسی پارکنگ میں لگتے ہی وہ دوڑتا ہوا ٹیکسی کے پاس آیا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر مجھے ہیلو کہا اور ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا۔ میں اس کے ہیلو کا جواب دیتا ہوا اپنا بریف کیس تھامے ٹیکسی سے باہر نکلا تو ڈاگ وولف نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے بھی اس کا ہاتھ گرم جوشی سے تھاما اور پھر اسے اپنا بریف کیس دیتا ہوا میں صابر کی جانب متوجہ ہوا تو وہ مجھے دعائیں دیتا ہوا باہر نکلا میں نے اسے لاپرواہی سے تین بڑے بڑے نوٹ پکڑائے جو اس کے کل کرائے سے تین گنا زیادہ تھے۔ اس نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے ردِعمل کا اظہار کیا تو میں نے اسے ٹِپ کا کہہ کر اسے بغیر سلام کئے وہاں سے نکل آیا۔ کیونکہ اس وقت میں ڈیوڈ کا کردار شیخ قاسم کے روپ میں ادا کر رہا تھا اور کرنل اشر کا بُل ڈاگ میرے سامنے موجود تھا اسی لئے میں اسے تھوڑا سا بھی شک نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

اسلام آباد کی وسیع و عریض پارکنگ انڈر گراؤنڈ تھی۔ میں بُل ڈاگ کی راہ نمائی میں تیزی سے آگے بڑھنا لگا کہ اچانک ایک گولی شاں کرتی ہوئی ہم دونوں کے پاس سے گذر گئی۔ ہم دونوں ایک ساتھ جھکے، پھر فوراً ایک کار کی اوٹ میں ہو کر گولی کے چلنے کا رخ دیکھنے لگے۔ پتہ چلا کہ گولی ہم سے تین گاڑیاں چھوڑ کر ایک گاڑی کے اندر سے چلائی گئی ہے۔ اس گاڑی کے شیشے بھی کلرڈ تھے، مجھے اس نئی افتاد پر قدرے حیرت ہوئی مگر ڈاگ وولف نے اس دوران اپنی جیب سے اپنا پستول نکال لیا۔

فائر جس نے بھی کیا تھا اس نے اپنی پستول میں سائلنسر لگایا ہوا تھا اس لئے ہمارے علاوہ کسی کو بھی آواز پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا ہے۔ آن کی آن میں دو تین فائر ہوئے اور ہم دونوں جس گاڑی کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے اس کے شیشے اور ایک ٹائر کو وہ برسٹ کر گئیں۔ وہ ٹارگٹ کلر جو بھی تھا وہ ہم دونوں کو ختم کرنے کے درپے تھے، آن کی آن میں اس کی گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور اس نے ایک لمبا کٹ لگا کر اسے ہماری طرف موڑ لیا۔ پس منظر میں صابر اپنی ٹیکسی کے اندر سہا ہوا بیٹھا تھا اب تک اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا مگر پتہ نہیں وہ تک کیوں یہاں بیٹھا ہمارا تماشہ دیکھ رہا تھا اور اب ٹارگٹ کلر کی کار طوفانی رفتاری سے ہماری جانب بڑھے چلے آ رہی تھی۔ قریب تھا کہ وہ ہم دونوں کو بری طرح سے روندھ دیتی۔ ہم دونوں اس نئے چکر کے شروع ہونے پر حیران ضرور تھے۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔